امیر مینائی کی نعتیہ شاعری

کلیدی الفاظ: #خیابان# آفرینش# انبیاء #نورتجلی #ابرکرم #صبح ازل

ڈاکٹرنشاں زیدی
B-63/S-2,D.L.F.Colony,Sahibabad,
Distt.Ghaziabad(201005)

تلخیص : امیر مینائی (1900-1826) اپنے ہم عصر شعراء میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ امیر مینائی ایک صوفی صفت مذہبی انسان تھے وہ جتنا ذوق غزل گوئی کا رکھتے تھے، اسی طرح نعت گوئی کو بھی اپنا فریضہ گردانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری سرمائے میں نعتیہ کلام کا ایک بیش قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ امیر مینائی کو اپنے عہد میں سب سے پہلے باقاعدہ ضخیم دیوان ’’محامد خاتم النبیین‘‘ پیش کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ان کا گراں قدر دیوان ’’محامد ومحاسن‘‘ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ خیابان آفرینش، ذکرشاہ انبیاء، نورتجلی ، ابرکرم، صبح ازل، شام ابداورلیلۃ القدران کے نعتیہ کلام کے قابل ذکر مجموعے ہیں۔ امیر مینائی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے مختلف اصناف سخن کی ہیئت میں نعتیں قلم بند کیں۔ ان کا نعتیہ کلام غزل، قصائد، رباعی، مسدس، ترجیع بند اور مخمس کی ہیئت میں ملتا ہے۔

امیر مینائی کا نام امیر احمد تھا۔ ان کے والد مولوی کرم محمد لکھنوی بڑے دیندار اور محترم بزرگ تھے۔ ان کا تعلق ایک صوفی شاہ مینا کے خانوادے سے تھا، اسی نسبت سے مینائی کہلائے۔ امیر مینائی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ پھرانہوں نے علمائے فرنگی محلی سے شرف تعلیم حاصل کیا۔ امیر مینائی کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ نوبرس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ زبان صاف سادہ اور شیریں تھی۔ ان کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں روضۂ رسولؐ کی زیارت کرنے کی کیسی یاس وحسرت، بیقراری وبچینی تھی۔ وہ زیارت حرمین شریف کے لئے ہمیشہ بیتاب رہے۔ امیر مینائی کا نعتیہ کلام خلوص

وعقیدت کے نور سے منور ہے ہی ساتھ ہی سادگی، شیرینی اور روانی بھی ہے۔ ہر جگہ شگفتگی اور شادابی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔

نعت ہر اس نظم کو کہتے ہیں جس میں بانیئ اسلام کی ذات، صفات اور آپ کے متعلقات ومنسلکات کو موضوع سخن بنایا گیا ہو۔ اس کی ابتدا حضورﷺ کی حیات میں ہی سر زمین عرب میں ہوئی، جس میں اولیت حسانؓ بن ثابت کو حاصل ہے۔ صحابی حضرت کعب بن زہیر کے قصیدے ''بانت سعاد'' کا نام بھی آتا ہے۔ یہ ایک ایسا قصیدہ ہے جس کو سن کر حضور اتنا خوش ہوئے کہ نہ صرف قصیدے کی اصلاح فرمائی بلکہ انہیں اپنی چادر ہی سونپ دی۔ جب کفار قریش نے حضرت ابو طالب سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے حوالے کر دیں تا کہ وہ اپنے انتقام کی آگ سرد کر لیں تو حضرت ابو طالب نے حضورﷺ کی مدافعت میں چند نعتیں کہیں، جن سے انہوں نے قریش کے دیگر قبائل کے مقابلے میں بنو ہاشم کو یکجا کرنے کا کام کیا۔ اسی بنیاد پر بعض ناقدین حضرت ابو طالب کو نعتیہ شاعری کا موجد قرار دیتے ہیں۔ عربی کے علاوہ فارسی کے نعت گو شعرا نے نعت کو وسعت بخشی اور حضورﷺ کی سیرت کے ہر پہلو کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ عربی فارسی کے علاوہ عالمی ادب کے بیشتر شعرا نے اس صنف میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ جرمنی کے معروف شاعر گوئٹے نے آپؐ کی مدح جرمن زبان میں کی ہے۔ جیوتی با پھولے نے مراٹھی زبان میں ''مانو محمدؐ'' کے نام سے اپنے عقیدے کو شعری پیکر میں ڈھال کر پیش کیا۔ بنگلہ، پنجابی، راجستھانی اور بھوجپوری زبانوں میں نعتیہ کلام کی مثالیں موجود ہیں۔ تامل زبان میں بھی نعت گوئی کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں،، جہاں تک اردو زبان کا سوال ہے اس کی ابتداء وارتقاء میں نعت کے بہت سے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں وہ الگ بات ہے اردو نعت پر عربی اور فارسی نعت کا اثر صاف طور پر نظر آتا ہے۔ تاریخی حیثیت سے اردو میں نعت گوئی کی روایت بہت پرانی ہے۔ جس طرح

اردو شاعری کے ہیئتی اشکال عربی و فارسی سے متاثر ہیں۔ اسی طرح اردو کی نعتیہ شاعری نے بھی ہر سطح پر اردو کا اثر قبول کیا اور عربی فارسی شعرا کی طرز پر نعت گوئی کا آغاز کیا۔ اردو میں اس کا سہرا ملا داؤد کے سر جاتا ہے، ملا داؤد نہ صرف یہ کہ اردو کے پہلے شاعر ہیں بلکہ وہ اردو کے پہلے نعت گو بھی ہیں۔ مثنوی 'چندائن' میں شامل نعت کو اردو کی پہلی نعت تسلیم کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دکن میں خواجہ بندہ نواز گیسودراز، سید محمد اکبر حسینی، فخر الدین نظامی، صدر الدین، میرانجی شمس العشاق، محمد قلی قطب شاہ، نصرتی، ہاشمی، ملا وجہی، غواصی، طبعی، ابن انشا، ولی اور سراج اورنگ آبادی کے یہاں نعت گوئی کے بہترین نمونے ملتے ہیں اور شمالی ہند میں ملا داؤد، ملک محمد جائسی، میر تقی میر، قائم چاندپوری، انشاء، مصحفی، نظیر اکبر آبادی، رنگین، میر نظام الدین ممنون، شاہ رؤف، ناسخ، انیس، دبیر، مومن، آرزو، ذوق، ظفر، داغ، محسن کاکوروی، امیر مینائی اور منیر شکوہ آبادی وغیرہ شعراء نے نعت گوئی میں طبع آزمائی کی۔ علاوہ ازیں اردو کے بیشتر شعراء کے کلیات میں حمد و نعت رسماً آغاز کلام کے طور پر بھی شامل ہے۔

امیر مینائی (1900-1826) اپنے ہم عصر شعراء میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ امیر مینائی ایک صوفی صفت مذہبی انسان تھے وہ جتنا ذوق غزل گوئی کا رکھتے تھے، اسی طرح نعت گوئی کو بھی اپنا فریضہ گردانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری سرمائے میں نعتیہ کلام کا ایک بیش قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ امیر مینائی کو اپنے عہد میں سب سے پہلے باقاعدہ ضخیم دیوان ''محامد خاتم النبیین'' پیش کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ان کا گراں قدر دیوان ''محامد و محاسن'' ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ خیابان آفرینش، ذکر شاہ انبیاء، نور تجلی، ابر کرم، صبح ازل، شام ابد اور لیلۃ القدران کے نعتیہ کلام کے قابل ذکر مجموعے ہیں۔ امیر مینائی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے مختلف اصناف سخن کی ہیئت میں نعتیں قلم بند کیں۔ ان کا نعتیہ کلام غزل، قصائد، رباعی، مسدس، ترجیع بند اور مخمس کی ہیئت میں ملتا ہے۔ وہ

اپنی اس خوبی کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔

یہ اس در سے حاصل سعادت ہوئی
سوئے نعت مائل طبیعت ہوئی
ہوئیں نظم، غزلیں، مخمس کہے
رباعی قصیدے مسدس کہے

امیر مینائی کا نام امیر احمد تھا۔ ان کے والد مولوی کرم محمد لکھنوی بڑے دیندار اور محترم بزرگ تھے۔ ان کا تعلق ایک صوفی شاہ مینا کے خانوادے سے تھا، اسی نسبت سے مینائی کہلائے۔ امیر مینائی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ پھر انہوں نے علمائے فرنگی محلی سے شرف تعلیم حاصل کیا۔ امیر مینائی کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ نو برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ زبان صاف سادہ اور شیریں تھی۔ ان کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں روضۂ رسولؐ کی زیارت کرنے کی کیسی یاس وحسرت، بیقراری وبیچینی تھی۔ وہ زیارت حرمین شریف کے لئے ہمیشہ بیتاب رہے۔ بے چینی، حسرت ویاس کی یہ کیفیت ان کے بیشتر اشعار میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

جب مدینہ کا مسافر کوئی پاجاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں
آئے کہیں طلب تو مدینے کو میں چلوں
کب تلک رہے گا مرحلۂ انتظار پیش

ایک عاشق رسولؐ کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مدینۂ منورہ جیسی پاک اور مقدس خاک میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل کرے۔ امیر مینائی بڑے خوبصورت انداز میں روضۂ رسولؐ کے قریب مدفون ہونے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔

قبر ہو میری الٰہی روضۂ اطہر کے پاس
تا رہوں میں حشر تک مرکر بھی پیغمبر کے پاس

ڈھونڈھ لینا مومنو فردوس میں میرا نشان
سایۂ طوبیٰ نیچے چشمۂ کوثر کے پاس
موت آئے گی تو یوں احباب حضرت کے حضور
عقد کی شب آتی ہے جیسے دلہن شوہر کے پاس

امیر مینائی کو رب العزت نے اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ عشق رسول سے ان کا دل ایسا معمور تھا یہ امیر امیر ہو گئے مینائی کی نسبت حضرت شاہ میناؒ سے اتنی گہری تھی کہ غزل کے ساتھ ساتھ نعت میں بھی تغزل نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں ایک حسرت ہے، یاس ہے، اور خود سپردگی کی کیفیت ہے۔ اور یہ کیفیت ایک ایسے ہی انسان کے دل میں آسکتی ہے جس کے دل میں عشق رسول کی شمع روشن ہو۔ ایسا والہانہ پن اور ایسی خود سپردگی کی کیفیت کم ہی شعرا کے یہاں نظر آتی ہے۔ وہ اپنے احساس وجذبات ایک رباعی میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

سروت کی ہوس نہ شوق دولت باقی
راہ کی طلب نہ ذوق لذت باقی
دیدار دربار ایک بار ہو نصیب
ہے آخری عمر میں یہ حسرت باقی

اسی طرح انہوں نے بارگاہ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے جس عقیدت اور والہانہ عشق کا ثبوت دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی رگ رگ میں سرور کائنات کی روشنی رچی بسی ہوئی ہے، جو تاریک وجود کو بھی تابناک بنا دیتی ہے۔ ان اشعار میں عقیدت کی عرفانی لہروں کو شعری پیکر میں اس طرح ڈھالتے ہیں:

آستانِ شہ لولاک پہ ہے سر اپنا
واہ کیا اوج پہ ہے نجم مقدر اپنا
قسمت اپنی ہے رسا بخت ہے یاور اپنا
فخر ہے سارے رسولوں کا پیمبر اپنا

ہیں وہ تصویر کہ ہے الفت حضرت روغن
تیغ وہ ہیں کہ ولا شہ کی ہے جوہر اپنا
نام حضرت کا لیا فتح ہوئی جنگ عدو
یہی جوش ہے وغا میں یہی مغفر اپنا
دولتِ الفتِ حضرت ہے ہماری دولت
گنج زر ہے یہی مانند ابوذر اپنا
یہ بھی حضرت کی محبت کا تصرف ہے امیرؔ
غرق دریا ہوئے دامن نہ ہوا تر اپنا

امیر مینائی کے نعتیہ کلام کا ایک مخصوص انداز اور لب ولہجہ ہے۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں روزمرہ محاورے بھی ملتے ہیں۔ ان کا کلام پیچیدگی زبان سے پاک سادگی و پرکاری کا مظہر ہے۔ اور روانی وسلاست کا دریا بھی موجزن ہے۔ الفاظ میں شگفتگی و تروتازگی اور پیرایۂ بیان میں جدت وندرت ہے۔ سرمستی وسرشاری، سوز وگداز اور کیف وسرور ان کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے۔

بالائے آسماں کہ سر لامکاں نہ تھا
احمد کے حسن پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا
معراج کے سفر میں ملائک تھے راست چپ
افسوس میں غبار پس کارواں نہ تھا
اچھا ہوا کہ الفت حضرت میں جان دی
ان داموں اے امیرؔ یہ سودا گراں نہ تھا

جذبۂ عشق میں شاعر کا حال یہ ہے کہ اس کا دل اپنے وطن عزیز ہند میں نہیں لگتا۔ اور اسے اس بات کا بہت ملال ہے کہ مدینہ ہند سے بہت دور ہے۔ کبھی کبھی تو یہ کیفیت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ پر لگا کر اڑ کر مدینہ پہنچ جانا چاہتا ہے۔ امیر مینائی دنیا سے بیزاری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

جلد منظور ہے تا روضۂ انور پہنچیں
پر لگا دے ہمیں اے شوق کہ اڑ کر پہنچیں
ناتواں ہم ہیں مدینہ ہے بہت ہند سے دور
دیکھئے منزل مقصود پر کیونکر پہنچیں

اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں:

یا نبی ہند میں ہم ٹھوکریں کھائیں کب تک
دیکھئے آپ مدینے میں بلائیں کب تک
آنکھیں پتھرا گئی ہیں راہ بہت دیکھ چکے
سختیاں دور جدائی کی اٹھائیں کب تک

فن نعت گوئی ایک نازک مرحلہ ہے۔ بلکہ یہ پل صراط پر چلنے کے مانند عمل ہے۔ اس کے لئے ذہنی اعتدال کے ساتھ ساتھ لفظ و خیال میں توازن بھی ضروری ہے۔ ذرا سی بھی لغزش شاعر کو ایمان کی منزل سے حدود شرک میں پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فن نعت گوئی میں مبالغے کی گنجائش کہیں بھی نہیں ہے، اس کے لئے حضور کی عظمت کا صحیح عرفان ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی شاعر اس دشوار گزار وادی سے کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
لینا ہے مجھے جو کچھ لے لوں گا محمدؐ سے

یہ شعر حضورؐ کی مدح میں تو ضرور ہے لیکن شاعر کو شرک کی حد میں داخل کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ شعر جہاں شریعت کے خلاف ہے وہیں فرمان نبیؐ کے بھی منافی ہے۔ لیکن امیر مینائی نعت گوئی کے مشکل راستے پر چلنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں ان کے قدم اس دشوار گزار راہ پر کہیں بھی نہیں ڈگمگاتے بلکہ وہ بڑی خوبی کے ساتھ اس راہ پر بہ خیر و عافیت گزر جاتے ہیں:

بندوں کو پہلے چاہئے ذات خدا سے عشق

بعد خدا ضرور ہے پھر مصطفیٰؐ سے عشق
کب خالق جہاں کو نہ تھا مصطفیٰؐ سے عشق
ہے انتہا کی بات کہ ابتدا سے عشق

امیر مینائی کا نعتیہ کلام خلوص وعقیدت کے نور سے منور ہے ہی ساتھ ہی سادگی، شیرینی اور روانی بھی ہے۔ ہر جگہ شگفتگی اور شادابی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ معراج کا واقعہ نعتیہ شاعری کے باب میں ایک خاص حیثیت کا حامل ہے۔ مختلف نعت گو شعراء نے اپنے ذوق طبع کے مطابق اس نورانی منظر کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ امیر مینائی شب معراج کی منظر نگاری بڑے ہی دلکش انداز میں کرتے ہیں:

گرم حضرت کا یہ بازار تھا معراج کی شب
کہ خدا آپ خریدار تھا معراج کی شب
جتنے انجم تھے شگفتہ تھے گل تر کی طرح
آسمان غیرت گلزار تھا شب معراج
وہ اٹھی گرد وہ حضرت کی سواری آئی
غل فرشتوں میں یہ ہر بار تھا معراج کی شب
انبیاء شاد، فرشتوں کو خوشی، حوریں مست
غم میں ابلیس گرفتار تھا معراج کی شب

امیر مینائی کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن نعت گوئی میں امیر مینائی امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں سادگی اور سلاست ہوتے ہوئے بھی شاعرانہ لطافت موجود ہے۔ سید شمیم گوہر امیر مینائی کے نعتیہ کلام کی خصوصیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ”امیر مینائی کا شعری فن جس طرح ان کی جمالیاتی و مجازی غزلوں میں نکھرا اور ابھرا ہوا نظر آتا ہے، وہی تڑپ، وہی لچک، وہی بانکپن، وہی لطافت اور وہی شعلگی ان کے نعتیہ دیوان میں بھی

> موجود ہے بلکہ ان کے روحانی جذبات وافکار کی وسعتیں اور گہرائیاں ان کی غزلوں پر بھاری نظر آتی ہیں۔ صنف نعت کی رعائت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی محتاط روش، پاکیزہ فن اور قابل قدر شعری لوازم نے عشق رسالت کے ایک سے ایک قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ فکروں میں بلندی ہے خیالات میں وقار ہے، اور تصورات میں غضب کی وسعت ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کسی نواب کے حکم کا نتیجہ نہیں، جس کی بنیاد صرف آورد پر رکھی گئی ہو، بلکہ یہ روحانی اشعار ان کے دل کی آواز ہے، ان کے منصب کی دھڑکنیں ہیں، ان کی محبت کا حاصل ہیں اور ان کے ایمانی احساسات کا ترجمان ہیں۔ نعتیہ شاعری باعث ثواب وبرکت اور ذریعۂ نجات ومغفرت ہے۔ اس فضیلت سے قربت رکھنے کے باوجود امیر مینائی نے اپنی نعتیہ شاعری میں تجربہ فن جدت، جدت افکار اور ہیئت سازی کا بھی خصوصی خیال رکھا ہے۔’’ (نعت کے چند شعرا از سید شمیم گوہر ص۔ 82)

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ امیر مینائی اردو کے ایک کامیاب نعت گوشاعر ہیں۔ انہوں نے بڑی چابک دستی سے اس پل صراط کا راستہ طے کیا اور کامیابی کے ساتھ منزل تک رسائی حاصل کی۔ اس فن میں ان کا ایک خاص رنگ اور لب ولہجہ ہے، جو انہیں دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔

ماخذ: نعت کے چند شعرا از سید شمیم گوہر
محامد ومحاسن از امیر مینائی
ابرکرکرم از امیر مینائی امیر المطابع حیدرآباد دکن 1332ھ
دبستان امیر مینائی از عرفان عباسی، نظامی پریس لکھنؤ، 1985

☆☆☆